سید محمد معاویہ بخاری

عالمی سازش گر امن نہیں چاہتے

یہ اکتوبر ۲۰۰۶ء کے آخری عشرہ کی بات ہے کہ پاکستانی حکام کو امریکی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیاء ''رچرڈ باؤچر'' کے دورۂ پاکستان کی اطلاع دی گئی تھی اور یہی وہ دن تھے جب شمالی وجنوبی وزیرستان میں درپیش ناخوشگوار حالات کو بہتر بنانے کے لیے امن معاہدے کی کوششیں بھی کی جارہی تھیں۔ قبائلی عوام کو مقامی عمائدین کے ذریعہ پیغام دیا جارہا تھا کہ حکومت ان سے بہتر تعلقات کی خواہاں ہے۔ جو کچھ ہو چکا اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جائے گی، فوجی ایکشن آئندہ نہیں ہوں گے، جان و مال کے نقصان کی تلافی کے لیے زراعانت پیش کیا جائے گا۔ حکومتی شرائط صرف یہ ہیں کہ جنگجو عناصر پرامن رہنے کے ساتھ ساتھ پولیٹیکل انتظامیہ سے تعاون کرتے ہوئے ایسی تمام سرگرمیاں روک دیں گے جو ملک کی بدنامی اور تصادم کا باعث بن رہی ہیں۔ غیر ملکی لوگ اگر موجود ہوں تو انہیں بھی اسی ضابطہ کا پابند بنایا جائے بصورت دیگر خود قبائلی عوام اور عمائدین ان کے خلاف کارروائی کے ذمہ دار ہوں گے۔ اگر اس معاہدے پر عمل درآمد کو یقینی بنایا گیا تو حکومت کی جانب سے بھی ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے گا۔

ذرائع ابلاغ کی رپورٹیں گواہ ہیں کہ بعد ازاں خود حکومتی عہدیداروں نے اعتراف کیا کہ جنوبی وشمالی وزیرستان کے معاہدے نہایت کامیاب رہے ہیں اور اس طرح کے مزید معاہدے کر کے قبائلی عوام و عمائدین کے تعاون سے ملکی حالات کو بہتر بنالیا جائے گا۔ دوسری طرف افغانستان میں طالبان کے ہاتھوں ہزیمت اٹھاتی' اتحادی افواج اور کرزئی انتظامیہ کی بے بسی اپنی جگہ قابل دید تھی اور افغان صدر اپنی کمزوری و لاچاری کا بوجھ کسی پر ڈال کر بری الذمہ ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ ''رچرڈ باؤچر'' کے دورۂ پاکستان سے قبل ہی حامد کرزئی نے ہذیان بکنا شروع کر دیا۔ امن معاہدوں کو افغانستان کے خلاف آئی ایس آئی کی سازش قرار دے دیا گیا۔ حامد کرزئی کے اشتعال انگیز بیانات کا تدارک کرنے کے لیے صدر مملکت پرویز مشرف وزیر اعظم شوکت عزیز اور وزیر خارجہ خورشید قصوری نے اپنے تئیں پوری وضاحت سے ان معاہدوں کی تفصیلات عالمی میڈیا کے سامنے پیش کیں۔ امریکی انتظامیہ سمیت پوری دنیا کو یقین دلایا گیا کہ یہ معاہدے مشروط ہیں۔ اگر جنگجو عناصر کسی بھی قسم کی تخریبی کارروائیاں کریں گے تو حکومت بھی اس کا جواب پوری قوت سے دے گی لیکن عالمی سازش گروں نے بساط کے مہرے اس مہارت سے چلے تھے کہ پاکستانی حکومت کے وضاحتی بیانات کو پرکاہ بھی نہ سمجھا گیا۔ حتیٰ کہ امریکی انتظامیہ کی جانب سے یہ وارننگ موصول ہوگئی کہ فوجی ایکشن دوبارہ شروع کیا جائے ورنہ......نومبر ۲۰۰۶ء میں ''رچرڈ باؤچر'' کا یہ دورہ شمالی علاقہ جات کی سیاحت کے لئے نہیں تھا بلکہ امریکی حکام اپنے احکامات پر عملدرآمد کو بچشم خود دیکھنے کے خواہش مند تھے اور امن معاہدوں کے حوالے سے ان کا نقطۂ نظر بھی حامد کرزئی سے مختلف

نہیں تھا۔ انہیں افغان صدر کی اس بات سے کلی اتفاق تھا کہ پاکستان دہشت گردوں کے خلاف جتنے اقدامات بھی کر رہا ہے۔ وہ محض چند دھمکی آمیز کارروائیوں پر مشتمل ہیں اور اندرونِ خانہ پاکستانی قیادت ایسے عناصر کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ حامد کرزئی نے آئی ایس آئی کے چند سابق سربراہان کا نام لے کر الزام عائد کیا تھا کہ یہ لوگ آج بھی پوری طرح متحرک ہیں اور آئی ایس آئی میں گہرا رسوخ رکھنے کے سبب جنگجوؤں کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کو غیر مؤثر بنا رہے ہیں۔ اس مضحکہ خیز الزام کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نیٹو افواج کے سربراہ نے پاکستان کا دورہ کر کے اپنے تحفظات سے جنرل پرویز مشرف کو آگاہ کیا تھا۔ جبکہ امریکی و برطانوی قیادت نے بھی افغانستان کی بگڑتی صورتحال کے تناظر میں اس الزام کو محض الزام خیال نہیں کیا بلکہ حکم صادر ہوا کہ کچھ ضرور کیا جائے۔ چنانچہ اس غلط تأثر کو زائل کرنے اور ''رچرڈ باؤچر'' کے ماتھے پر بننے والی سوالیہ شکنوں کا حجم کم کرنے کے لیے فوری کارنامہ سرانجام دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

۳۰؍ اکتوبر کو باجوڑ کے علاقہ میں ایک مدرسہ کو دہشت گردوں کا مسکن قرار دے کر ٹارگٹ بنایا گیا۔ اس حملہ میں ۸۳ افراد لقمۂ اجل بن گئے جن میں کئی معصوم بچے بھی شامل تھے۔ میڈیا پر اس کارروائی کے حوالہ سے متضاد اطلاعات پیش کی جاتی رہیں۔ پاک فوج کے ترجمان کے مطابق دہشت گردوں کے بارے میں انٹیلی جنس رپورٹس کی تصدیق کے بعد ہی یہ کارروائی عمل میں لائی گئی تھی۔ ترجمان کے بقول یہ ایک ٹریننگ کیمپ تھا جس میں شرپسند عناصر دہشت گردی بالخصوص خودکش حملوں کی تربیت حاصل کرتے تھے۔ اس المناک واقعہ کے رونما ہونے کے ٹھیک ایک ہفتہ بعد ۷؍نومبر ۲۰۰۶ء کو ''رچرڈ باؤچر'' نے صدر مشرف سے ملاقات کی تھی۔ ۸؍نومبر ۲۰۰۶ء کو امریکی نائب وزیر خارجہ کا جو بیان اخبارات میں شائع ہوا' اس کے من وعن الفاظ یہ ہیں کہ ''رچرڈ باؤچر'' نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ قبائلی علاقوں میں امن معاہدے کیے جائیں۔ اور یہ کہ باجوڑ جیسے واقعات سے امریکہ کے خلاف نفرت میں اضافہ پر ہمیں تشویش ہے۔ (روزنامہ 'اسلام' ۸؍نومبر ۲۰۰۶ء)

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ امریکی عہدیدار اپنے بیانات پر قائم نہیں رہتے۔ اعلیٰ سطحی مذاکرات میں کیا کچھ طے کیا جاتا ہے۔ اس کی پوری تفصیلات معاملات کی حساسیت کے پیش نظر سامنے نہیں لائی جاتیں لیکن مشترکہ بیانات میں جو کچھ ہنستے مسکراتے بتایا جاتا ہے۔ کیا وہ جھوٹ اور مذاق ہوتا ہے؟ اگر ۷؍نومبر ۲۰۰۶ء میں ''رچرڈ باؤچر'' کے بقول امن معاہدے ایک اچھا قدم اور درست عمل تھا اور اس سے حالات بہتری کی جانب گامزن ہو رہے تھے تو پھر ۱۲؍جنوری ۲۰۰۷ء میں انہیں یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی کہ شمالی وزیرستان امن معاہدے سے صورت حال بہتر نہیں ہوئی اور طالبان دن بدن افغانستان میں امن کے لئے خطرہ بنتے جا رہے ہیں۔ (روزنامہ ''نوائے وقت'' ۱۳؍جنوری ۲۰۰۷ء)

آخر ایسا کیوں ہے کہ افغانستان میں بڑھتی مزاحمت اور ناکام ہوتی۔ جنگی پالیسیوں کا الزام پاکستان پر عائد کیا جا رہا ہے۔ فرنٹ لائن سٹیٹ کے سربراہ کی وضاحتیں تسلیم نہیں کی جا رہیں۔ جبکہ ایک تابعدار خادم کی طرح ہر حکم کی تعمیل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔، ہم نے روشن خیالی، اعتدال پسندی کے جھروکے بنانے کے لیے اپنی

نظریاتی فصیل منہدم کردی، ہم نے بے نام دہشت گردوں کا تعاقب کرتے ہوئے اپنی زمینوں کے گلاب روند ڈالے، خود اپنی پناہ گاہوں کو بارود سے اڑا ڈالا، ۸۰ ہزار فوج ان علاقوں میں جھونک دی' جہاں کبھی ایک سپاہی کی ضرورت نہ تھی۔ ہم سرحد پر باڑ لگا کر بارودی سرنگیں بچھا کر دشنام طرازی کا خاتمہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم ۳۰ لاکھ افغانیوں کو واپس ان کے وطن بھیجنے کی درخواست بھی کر رہے ہیں۔ مگر ہمارا کوئی عمل بھی شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکا۔ اُلٹا ہو یہ رہا ہے کہ الزامات و اتہامات کے انبار ہیں جو ہماری پیٹھ پر لادے جا رہے ہیں۔ صدر مشرف بار بار کہہ رہے ہیں کہ مغرب پاکستان کے بارے میں رائے تبدیل کرے۔ ہم نے دہشت گردوں کی کمر توڑ دی ہے۔ القاعدہ نیٹ ورک کا پاکستان سے خاتمہ کر دیا ہے۔ ۶۰۰ سے زائد دہشت گردوں کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کر چکے ہیں۔ پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کسی بھی ملک سے زیادہ اقدامات کیے ہیں۔ پاک فوج کے سینکڑوں جوانوں اور افسروں نے اپنی قیمتی جانوں کی قربانی دی ہے، مگر امریکی انٹیلی جنس ادارے کا سربراہ ''نیگرو پونٹے'' سینٹ کمیٹی کو اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے یہ الزام عائد کرتا ہے کہ پاکستان اب بھی القاعدہ قیادت کے لیے محفوظ پناہ گاہ بنا ہوا ہے، پاکستانی سرحدی علاقے شدت پسند تنظیموں کا گڑھ ہیں اور القاعدہ اپنا تباہ شدہ نیٹ ورک دوبارہ فعال کر رہی ہے۔ جبکہ پاکستان کے دورہ پر آئے ہوئے ''رچرڈ باؤچر'' نے اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے ہمارے زخموں پر یوں نمک پاشی کی ہے کہ شمالی وزیرستان میں امن معاہدے کے باوجود تخریب کاری نہیں رک سکی۔

۱۳؍ جنوری کو بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے افغان صدر ''حامد کرزئی'' کا ترجمان ''جاوید لودین'' کہتا ہے کہ امریکی انٹیلی جنس ادارے کی رپورٹ سو فیصد صحیح ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ القاعدہ قیادت صرف پاکستان ہی میں روپوش ہو سکتی ہے۔ جاوید لودین کے مطابق القاعدہ ارکان کی گرفتاری دراصل پاکستانی حکومت کا رچایا ہوا ایک ڈرامہ تھا اور اس کا مقصد امریکی حکام کو القاعدہ ارکان کی پکڑ دھکڑ میں الجھا کر طالبان سے توجہ ہٹانا تھا۔ کیونکہ ان طالبان کی اکثریت پاکستان کے سرحدی پختون علاقوں سے تعلق رکھتی ہے...... مذکورہ بالا گمراہ کن الزامات کے بعد ہمارا رویہ معذرت خواہانہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اور مزید کسی اقدام سے پہلے الزامات کا جواب پوری دینی غیرت اور ملی حمیت کے ساتھ دینا چاہئے تھا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح اب بھی ایسا نہیں ہوا۔ اور اگر کچھ ہوا بھی تو یہ کہ ۱۰ اور ۱۱ رگیارہ جنوری کی درمیانی رات میں پاک فوج نے کئی ماہ کے وقفہ کے بعد شمالی وزیرستان میں آپریشن کیا یہ کارروائی بھی امریکی نائب وزیر خارجہ ''رچرڈ باؤچر'' کی پاکستان آمد سے چوبیس گھنٹے قبل سرانجام دی گئی۔ بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب کی جانے والی کارروائی کے بارے میں ''آئی ایس پی آر'' کے سربراہ ''میجر جنرل شوکت سلطان'' نے ذرائع ابلاغ کو بتایا کہ افغانستان میں اتحادیوں نے انٹیلی جنس رپورٹ دی تھی کہ پاک افغان سرحد کے قریب ایک جگہ ''کرویک'' میں شرپسندوں کی نقل و حرکت ہو رہی ہے جس پر پاک فوج نے توپ خانہ اور مارٹر کی مدد سے کارروائی کی۔ (روزنامہ ''نوائے وقت'' ۱۳؍ جنوری ۲۰۰۷ء)

اس کے چند روز بعد ۱۷؍ جنوری کے اخبارات میں جنوبی وزیرستان کے علاقہ ''زمہ زولہ'' میں فوجی کارروائی کی اطلاعات شائع ہوئیں۔ اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے پاک فوج کے ترجمان نے بتایا کہ سکیورٹی فورسز کی گن شپ ہیلی

کاپٹروں سے کارروائی کے دوران غیر ملکی باشندوں سمیت ۳۰ جنگجو جاں بحق ہو گئے، ترجمان کے مطابق یہ حملہ اس وقت کیا گیا جب غیر ملکی جنگجو اپنے مقامی ساتھیوں کے ساتھ ٹریننگ میں مصروف تھے۔ (روزنامہ ''نوائے وقت'' ۱۷/ جنوری ۲۰۰۷ء)

شمالی وزیرستان کی طرح جنوبی وزیرستان میں ہونے والی کارروائی بارے بھی یہی بتایا گیا کہ مصدقہ انٹیلی جنس اطلاعات کے بعد یہ اقدام کیا گیا اور اس میں پاک فوج کے گن شپ ہیلی کاپٹروں نے ہی حصہ لیا مگر یہ بات اپنی جگہ اہم ہے اور نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ امریکی وزیر دفاع ''رابرٹ گیٹس'' کی افغانستان میں آمد اور افغانستان میں تعینات ''ایساف'' فورسز کے سربراہ کی اس دھمکی کے دو روز بعد ہی یہ واقعہ رونما ہوا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ افغانستان میں مقامی اور ایساف فورسز کے خلاف طالبان کی کارروائیاں جاری رہیں تو ہم سرحد کی دوسری جانب یعنی پاکستان میں بھی ان کے ٹھکانوں پر حملہ سے گریز نہیں کریں گے۔ مذکورہ بالا صورت حال پاکستان کی داخلی سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ ہمیں بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ مسئلہ القاعدہ یا طالبان کا ہر گز نہیں ہے بلکہ زمینی حقائق یہ بتا رہے ہیں کہ پاکستان کو براہ راست طالبان سے لڑانے کے منصوبہ پر عمل درآمد کرانے کی تیاری کی جارہی ہے اور یہ کھیل پاک افغان سرحد تک ہی محدود نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔ شمالی و جنوبی وزیرستان میں ہونے والے امن معاہدے اپنے مفادات کے پیش نظر عالمی سازش گروں کو کسی طور قبول نہیں ورنہ اگر صرف امن مقصود تھا یا ہے تو حکومت پاکستان نے قبائلی عوام اور عمائدین کی مدد سے یہ کارنامہ سرانجام دے دیا تھا کہ ان علاقوں میں مکمل امن ہو چکا تھا۔ پاکستانی انٹیلی جنس اداروں نے کہیں سے بھی تخریبی کارروائیوں یا دہشت گردی کے تربیتی کیمپ موجود ہونے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ پاک فوج کی مؤثر حکمت عملی سے جنوبی و شمالی وزیرستان میں کم و بیش حالات معمول پر آچکے تھے۔ اور افغانستان میں طالبان پوری طرح نیٹو فورسز اور افغان فوج کے رحم و کرم پر تھے لیکن اتحادی افواج طالبان کی مزاحمت روکنے میں ناکام رہیں۔

یہ بات غور طلب ہے کہ امریکی عہدیداروں کی خطے میں آمد شروع ہوتے ہی پاکستان پر الزامات کا مکروہ سلسلہ آغاز ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی قبائلی علاقوں میں فوجی کارروائیاں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا حالات کے تناظر میں کیا اس خبر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ امریکی حکام کی جانب سے پاکستان کو نہ صرف قبائلی علاقوں بلکہ اس سے بھی آگے کئی محاذوں پر ایساف فورسز کے ساتھ مل کر طالبان کے خلاف مہم جوئی کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔ اتحادی افواج پریشان ہیں کہ موسم سرما ختم ہوتے ہی طالبان کی مزاحمت شدت اختیار کر جائے گی اور پھر ان کی حربی حکمت عملی کی ناکامیاں عراق کی طرح افغانستان میں بھی دنیا پر عیاں ہونا شروع ہو جائیں گی۔ چنانچہ ان کے لیے آسان راستہ یہ ہے کہ وہ امریکی پالیسیوں کے شکنجے میں بری طرح پھنسی ہوئی پاکستانی حکومت کو دباؤ میں لا کر ایسے تباہ کن اقدامات کے لیے مجبور کر دیں جو صرف امریکی مقاصد کی تکمیل کرتے ہوں۔ حکمرانوں کو دشمن کی حکمت عملی کو سمجھنا اور محبّ وطن لوگوں کی اس رائے پر پوری ہمدردی سے غور و فکر کرنا چاہیے کہ پاکستان کے سرحدی علاقوں میں فوجی کارروائیاں کسی طور بھی ملکی و قومی مفاد میں نہیں ہیں بلکہ مستقبل میں ان کے نتائج انتہائی خطرناک ہوں گے۔